حقوق ومنافع کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

عمر عابدین قاسمی

(دوسری قسط)

احناف کے ہاں مال کی ایک اور تعریف:

(ب) حنفیہ کے یہاں دوسری تعریف اس طرح کی گئی ہے:

۱. **ان المال اسم لغير الادمي، مما خلق لمصالح الادمي، و امكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار.(۴۹)**

مال نام ہے انسان کے علاوہ ان چیزوں کا جو مصالح انسانی کے لئے پیدا کی گی ہوں اور انھیں محفوظ کرنا، نیز ان میں اختیاری طور پر تصرف کرنا ممکن ہو۔

۲۔ **ان المالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم.(۵۰)**

کسی چیز کی مالیت تمام یا بعض لوگوں کے اس کو بطور مال استعمال کرنے کی وجہ سے ثابت ہوجاتی ہے۔

پہلی تعریف شامی نے بحر کے واسطہ سے حاوی قدسی سے نقل کی ہے اور دوسری تعریف خود شامی ہی نے کی ہے۔

۳۔ **مالیس یعد مالابین الناس فبیعه باطل.(۵۱)**

ہر وہ چیز جو عرف میں مال شمار نہ کی جاتی ہو، اس کی بیع باطل ہوگی۔

۴. **ان المال كما صرح به اهل الاصول، وهو: ما يتمول، اى يدخر للحاجة. وهو خاص بالاعيان، فخرج به تمليك المنافع.(۵۲)**

مال درحقیقت (جیسا کہ اہل اصول نے بیان کیا ہے) وہ ہے جو بطور مال استعمال کیا جائے، یعنی ضرورت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکے، اور مال مادی اشیاء کے ساتھ خاص ہوتا ہے، چنانچہ مادی (عین) کی شرط سے منافع خارج ہوجائیں گے۔

۵۔ ان مالا یتمولہ الناس لا یکون مالا، و ان کان مباحا کالحبة الواحدة من القمح.(۵۳)

ہر وہ چیز جسے لوگ بطور مال کے استعمال نہ کرتے ہوں وہ مال شمار نہیں کی جائے گی، خواہ اصل کے اعتبار سے مباح (جائز) ہی کیوں نہ ہو، جیسے گیہوں کا صرف ایک دانہ۔

۶۔ ان المال یجب ان یکون ذا وجود خارجی، فلا یشمل المنافع لعدم امکان ذلک فیها.(۵۴)

کسی چیز کے مال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خارج میں اس کا وجود ہو، یہی وجہ ہے کہ منافع کا مال میں شمار نہیں ہے، کیونکہ اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔

مال کی تعریف کے سلسلہ میں یہ تعریف فقہ کی رو سے راجح معلوم ہوتی ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاءؒ نے اس بارے میں مفصل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے:

والتعریف الصحیح یمکن ان یستنبط من مجموع ما ذکرہ الفقهاء عن المال وخصائصه فی مختلف المناسبات، فقد قالوا: ان المال اسم لغیر الادمی الخ.(۵۵)

اور ''مال'' کی صحیح تعریف (جب کہ فقہاء کے تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر، نیز مختلف مواقع پر ذکر کردہ اس کی خصوصیت کو مدنظر رکھ کر) کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ: مال نام ہے انسان کے ماسوا تمام چیزوں کا۔

اسی طرح ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنے الفاظ میں حنفیہ کے نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

فعند فقهاء الحنفیة: کل مایمکن حیازته والانتفاع به علی وجه معتاد.(۵۶)

چنانچہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک، مال نام ہے ہر اس چیز کا جس کی ذخیرہ اندوزی ممکن ہو، نیز مناسب طریقہ سے نفع بھی حاصل کیا جاسکتا ہو۔ یعنی: ''مال حنفیہ کے نزدیک ہر وہ شئی ہے جس کا جمع کرنا اور مروج طریقہ پر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو''، اور یہی بات ڈاکٹر زحیلی نے بھی اپنے الفاظ میں کہی ہے:

عند الحنفیہ: المال ھو کل ما یمکن حیازتہ و احرازہ و ینتفع بہ عادۃ. (۵۷)

کہ مال ہر وہ شئی ہے، جس کا جمع کرنا ممکن ہو اور عادۃ اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔

مذکورہ تعریفوں کے اجزاء ترکیبی:

مال کی جو تعریفیں یہاں ذکر کی گئی ہیں، ان پر غور کیا جائے تو دو باتیں کم وبیش ہر ایک میں مشترکہ طور پر موجود ہیں:

۱۔ اس شئی کو محفوظ (احراز) کرنا ممکن ہو۔

۲۔ اس شئی سے عادۃ نفع حاصل کیا جاتا ہو۔

پہلی شرط کہ ''احراز ممکن ہو'' سے مراد یہ ہے کہ عینی اور مادی شئی ہو، جیسے زمین، مکان، کتاب اور قلم وغیرہ، چنانچہ وہ تمام چیزیں جو خارج میں اپنا وجود نہیں رکھتیں، اور جو معنوی اشیاء ہیں ان پر مال کا اطلاق نہیں کیا جائے گا، جیسے ہوا، علم، ذہنی وفکری صلاحیت اور بجلی یا حقوق ومنافع وغیرہ، کیونکہ ان چیزوں پر قبضہ کرنا اور انھیں محفوظ کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسری شرط کہ ''عادۃ اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو'' کے اعتبار سے وہ تمام چیزیں مال کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں جن سے انتفاع ممکن ہی نہ ہو، جیسے وہ تمام چیزیں جن سے انتفاع حرام کر دیا گیا ہے، مردار، خنزیر، زہر آلود غذائیں وغیرہ، دوسری صورت یہ ہے کہ انتفاع حرام تو نہ ہو، البتہ عام طور پر اس سے نفع نہ حاصل کیا جاتا ہو، جیسے ایک دانہ گیہوں (الحبۃ الواحدۃ من القمح) یا ایک مشت مٹی، یا پانی کے چند قطرے وغیرہ، جو باوجود حلال ہونے کے قابل انتفاع نہیں ہیں، کیونکہ عرف میں اس سے نفع حاصل کرنا مروج نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں معنوی اشیاء پر مال کا اطلاق:

گو مال کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کی تعبیرات سے واضح ہوتا ہے کہ مال کا اطلاق ان ہی چیزوں پر ہوتا ہے، جن کو محفوظ کیا جا سکتا ہو، نیز وہ قابل انتفاع ہوں۔ اس کے باوجود فقہ حنفی کی متون اور مراجع کے مطالعہ سے بعض ایسی جزئیات سامنے آتی ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء حنفیہ (خواہ

متقدمین ہوں یا متاخرین) نے جابجا اس تعریف سے انحراف بھی کیا ہے اور حقوق ومنافع کے قبیل کی بعض چیزوں کو مال قرار دے کر ان کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، ذیل میں چند مسائل کا نمبروار ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔حق مرور:

فقہ حنفی کے معروف ترجمان علامہ برہان الدین مرغینانی نے حق مرور (راستہ سے گذرنے کا حق) کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علماء احناف کے اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق حق مرور کی خرید وفروخت درست ہے: وان کان الثانی ففی بیع حق المرور روایتان. (۵۸)

۲۔خدمت اور تعلیم وتربیت:

خدمت، تعلیم قرآن اور تربیت وغیرہ، ظاہر ہے کہ معنوی امور میں سے ہیں، امام محمدؒ (متوفی :۱۸۹ھ) کی رائے ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تعلیم قرآن یا بیوی کی خدمت کو بطور مہر متعین کرے، تو ایسا کرنا درست ہوگا، اور معلوم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مال ہی کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے:

> وان اصدق منکوحته تعلیم شئی معین من فقه، او حدیث، او شعر مباح، او ادب، او صنعة، او کتابة صح، لان ذلک منفعة معلومة، کزعایة غنمها مدة معلومة، وخیاطة ثوب معلوم. (۵۹)
>
> اور اگر بیوی کو مہر کے بدلہ فقہ وحدیث، شعر وادب اور صنعت وکتابت کا متعینہ حصہ سکھادے، تو یہ درست ہے، اس لئے کہ یہ ایک معلوم منفعت ہے، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کہ خاص مدت کے لئے چوپایوں کو چرایا جائے، یا متعین کپڑے کی سلائی کی جائے۔

اسی طرح علامہ شامیؒ بھی فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> وکذالو منفعة کسکنی داره و رکوب دابة، و زراعة ارضه حیث علمت المدة. (۶۰)

اسی طرح اگر منفعت ہو تو مہر بن سکتا ہے، جیسے مکان کی رہائش، جانور کی سواری، زمین کی کھیتی وغیرہ، اس طور پر کہ ان کی مدت معلوم ہو۔

۳۔حق تعلّی کی خرید وفروخت:

''حق تعلّی'' سے چھت سے اوپر کی تعمیر اور اس کے استعمال کا حق مراد ہے، فقہاء احناف نے عام طور پر ''حق تعلّی'' کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، مگر حنفیہ میں علامہ خالد اتاسی نے حق تعلّی کو بھی حق مرور کی طرح قابل عوض قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اقول: وعلى ما ذكروه من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض عن حق التعلي وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال.

ان فقہاء نے حقوق مجردہ کے مال سے تبادلہ کو جائز قرار دیا ہے، اسی بناء پر حق تعلّی (فضاء سے استفادہ کا حق) پانی پینے کے حق اور گزرنے کے حق کے بدلہ عوض لینے کو جائز ہونا چاہئے۔

۴۔منفعت کی وصیت:

علامہ کاسانیؒ نے ''باب الوصیۃ'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''مال'' کا اطلاق ''عین'' اور ''منفعت'' دونوں پر ہوا کرتا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

منها ان يكون مالا..... سواء كان المال عينا او منفعة عن العلماء كافة.(٦١)

اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مال ہو، خواہ مال عین کی شکل میں ہو یا منفعت کی شکل میں، یہی تمام علماء کی رائے ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

اما لو صية بالمال فحكمها ثبوت الملك في المال الموصى به للموصى له، والمال قد يكون عينا وقد يكون منفعة.(٦٢)

اور جب مال کی وصیت کی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ وصیت کئے گئے مال پر، جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور مال کبھی عین کے قبیل سے ہوتا ہے اور کبھی منفعت کے قبیل سے۔

۵۔منافع کو مہر بنانا:

کن چیزوں کو مہر بنایا جاسکتا ہے؟ علامہ کاسانیؒ نے ''باب المھر'' میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ منافع یا تو مال ہیں یا مال ہی کے درجہ میں ہیں:

لان هذه المنافع اموال او التحقت بالاموال.(۶۳)

یہی بات علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ لکھی ہے:

لو تزوجها على منافع سائر الاعيان فى سكنى داره، وخدمة عبده، و ركوب دابته، والحمل عليها، وزراعة ارضه و نحو ذلك فى منافع الاعيان مدة معلومة صحت التسمية، لان هذه المنافع اموال او الحقت بالاموال.(۶۴)

اور اگر عورت نکاح کرے، اعیان سے متعلق منافع پر، مثلاً مکان کی رہائش، غلام کی خدمت، چوپائے پر سواری اور بار برداری، زمین کی کھیتی وغیرہ، تو اگر مدت معلوم ہو تو انھیں مہر کے طور پر طے کرنا درست ہوگا، کیونکہ یہ منافع مال، یا مال سے متعلق ہیں۔

۶۔حق وظیفہ کا عوض:

حق وظیفہ کے بارے میں بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص عوض لے کر حق وظیفہ سے دستبردار ہونا چاہے تو درست ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ نے اس کی اجازت دی ہے۔

قد تعارف الفقهاء بالقاهرة النزول عند الوظائف بمال يعطى لصاحبها و تعارفوا، ذلك تنبغى الجواز.(۶۵)

اور وظیفہ سے دستبردار ہو جانا کچھ مال لے کر، قاہرہ کے علماء نے اسے عرف قرار

دیا ہے، اور یہ صورت ان کے یہاں مروج ہے، یہ بات اس کے جائز ہونے کی متقاضی ہے۔

۷۔حق تولیت کا عوض:

حق تولیت کا بھی براہ راست حقوق سے تعلق ہے، لیکن اس کے باوجود بعض فقہاء حنفیہ نے حق تولیت سے سبکدوش ہونے کا عوض لینا درست قرار دیا ہے، مشہور فقیہ شیخ نورالدین علی مقدسی نے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ حموی لکھتے ہیں:

وقد استخرج شیخ مشایخنا نورالدین علی المقدسی صحة الاعتیاض عن ذالک، فی شرحه علی نظم الکنز.(٦٦)

ہمارے استاذ الاساتذہ شیخ نورالدین علی مقدسی نے اس سے تولیت کے عوض لینے کے درست ہونے کو مستنبط کیا ہے، یہ بات نظم کنز یران کی شرح میں ہے۔

۸۔غلام کے حق خدمت کا عوض:

اگر کوئی شخص غلام کی وصیت اس طرح کرے کہ ملکیت ایک کے لئے ہو اور کسی دوسرے کے لئے حق خدمت، اور پہلا فریق (صاحب ملک) دوسرے شخص سے ''حق خدمت'' کو بھی اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہو، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ''حق خدمت'' کا عوض دے کر اس حق کو بھی اپنے لئے خاص کرلے، گویا ''حق خدمت'' کا عوض لینا اور دینا درست ہے، علامہ حمویؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے:

فربما یشهد هذا للنزول عن الوظائف بمال.(٦٧)

اور حق خدمت کے بدلہ مال لے کر دستبردار ہو جانا، وظیفہ کے عوض مال لے کر دستبردار ہونے کی طرح ہے۔

۹۔حق پگڑی کا عوض:

''حق خلو'' جس کو ہندوستان وغیرہ میں ''پگڑی'' کہا جاتا ہے، کو بعض فقہاء نے جائز قرار دیا

ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ کے زمانہ میں بعض شہروں میں اس کا رواج چل پڑا تھا، چنانچہ خود انھوں نے بھی اس کے جواز کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے:

الحاصل: ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، ولكن افتى كثير من المشائخ باعتباره، فاقول على اعتباره، ينبغى ان يفتى بان ما وقع فى بعض اسواق القاهره من خلوالحوانيت لازم، ويصير الخلو فى الحانوت حقاله، فلا يملك صاحب الحانوت اخراجه منها، ولا اجارتها بغيره.(٦٨)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق عرف خاص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مگر بہت سے مشائخ نے اس کا اعتبار بھی کیا ہے اور اگر اسے معتبر مانا جائے تو اس کا تقاضا ہے، کہ قاہرہ کے بعض بازاروں میں جو دکان حق کے خلو (پگڑی) کا رواج ہے، اسے لازم قرار دیا جائے، ''حق خلو'' کرایہ دار کو حاصل ہو جائے اور دکان کے مالک کو اسے دکان سے نکالنے یا کسی اور کو کرایہ پر دینے کا اختیار نہ ہو۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ حمویؒ نے مختلف علماء کے حوالہ سے تقی الدین بن معروف، محمد بن ہلال حنفی اور مولانا ابوالسعود سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔(٦٩)

پگڑی دراصل ''حق قبضہ'' سے دستبرداری کا عوض ہے، اور ظاہر ہے کہ ''حق قبضہ'' کوئی مادی شئی نہیں ہے، اس کے باوجود حق قبضہ کا مالی عوض درست قرار دیا گیا ہے۔

۱۰۔حق شرب کی بیع

''حق شرب'' بھی حقوق میں سے ہے، علامہ سید شریف جرجانی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: **هو النصيب من الماء للاراضى وغيرها** ۔(۷۰) اور حق شرب نام ہے، پانی کے اس حصہ کا جو زمین وغیرہ کے لئے ہو۔ فقہ حنفی کی رو سے اس کی بیع ''فاسد'' شمار کی جاتی ہے: **وكذا بيع الشرب، وظاهر الرواية فساده** ۔(۷۱) اور یہی حکم حق شرب کی بیع کا ہے اور ظاہر روایت کے مطابق یہ فاسد ہے۔ لیکن خود فقہاء حنفیہ میں سے مشائخ بلخ جیسے ابوبکر الاسکاف، محمد بن سلمہ وغیرہ حق شرب کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں:

وجوزه مشائخ بلخ كاهي بكر الاسكاف ومحمد بن سلمة۔(۷۲)

یہی حاکم شہید کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے:

قال شيخنا الامام يحكى عن استا ذه ،انه كان يفتى بجواز بيع الشرب بدون الارض ،ويقول :فيه عرف ظاهر فى ديارنا بنسف فانهم يبيعون الماء۔(۷۳)

ہمارے شیخ اپنے استاذ کے بارے میں نقل کرتے تھے کہ وہ حق شرب کی بغیر زمین کے بیع کو جائز قرار دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے علاقہ نسف میں محض پانی کے بیچنے کا عرف پایا جاتا ہے۔

گویا علامہ سرخسیؒ بھی ''حق شرب'' کی فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں، جس میں بغیر زمین کے صرف پانی لینے کے حق کو فروخت کیا جاتا ہے۔

یہ مسائل بطور نظائر پیش کئے گئے ہیں کہ خود فقہاء احناف نے احکام کی تطبیق میں جابجا ''مال'' کی متداول تعریف سے احتراز کیا ہے اور ان چیزوں کی خرید وفروخت کو درست قرار دیا ہے، یا ان کو مال کے درجہ میں رکھا ہے، جو حقوق اور منافع کے قبیل سے ہیں، اس طرح کی بعض اور نظیریں بھی کتب فقہ میں موجود ہیں:

ان عدم جواز الاعتياض عين الحق ليس على اطلاقه، ورايت بخط بعض العلماء عن المفتى ابى سعود انه افتى بجواز اخذ العوض فى حق القرار والتصرف، وعدم صحة الرجوع، وبالجملة فالمسالة ظنية، والنظائر متشابهة. وللبحث فيه مجال۔(۷۴)

حقوق کا عوض لینے کی ممانعت مطلق نہیں ہے، میں نے مفتی ابوالسعود سے متعلق بعض علماء کی تحریریں دیکھی ہیں، کہ مفتی صاحب نے ''حق قرار'' اور حق تصرف'' کے عوض لینے کے سلسلہ میں جواز کا فتوی دیا ہے، نیز ان سے رجوع بھی ثابت نہیں ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس سلسلہ کی نظیریں آپس میں متشابہ ہیں، نیز اس بارے میں بحث وتحقیق کی گنجائش ہے۔ یہ ''نظائر'' مشتبہ کیوں ہیں؟ اس کی وجہ بظاہر

یہی ہے کہ مال کی تعریف کرتے ہوئے علماء نے عام طور پر ''عین'' ہونے کی شرط لگائی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ ''عین'' کی یہ شرط محض اتفاقی ہے، جو اس زمانہ کے رواج اور عرف کی وجہ کر لگائی گئی تھی، کیونکہ اس دور میں یہ بات نا قابل تصور تھی کہ ایک شئی تمول اور ادخار کے قابل بھی ہو اور وہ عینی نہ ہو، اسی بنا پر اس عہد میں فقہاء نے ''عین'' کی شرط لگائی تھی، موجودہ دور میں چونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان دیکھی چیزوں کا بھی ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور معنوی اشیاء کا احراز وادخار بھی رجسٹریشن کے ذریعہ ہو سکتا ہے، تو اب ''عین'' کی قید کی کوئی ضرورت نہیں رہی، لیکن اسے بعض اہل علم نے ''قید احترازی'' کی نظر سے دیکھا، پھر جوں جوں حالات بدلتے گئے اور ضرورت محسوس ہونے لگی کہ بعض ان چیزوں کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے جن کا تعلق براہ راست ''اعیان'' سے نہیں، بلکہ حقوق ومنافع سے تھا، تو مختلف تاویلات کا سہارا لینا پڑا، حتیٰ کہ علامہ شامی کو کہنا پڑا کہ اس میں بہت کچھ غور وفکر کا موقع ہے۔

مال کے بنیادی عناصر:

اس لئے کسی چیز کو مال قرار دینے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: اول یہ کہ وہ شریعت کی نگاہ میں مباح ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شئی قابل انتفاع ہو اور تیسرا عنصر عرف و عادت ہے۔

۱۔شریعت نے مباح قرار دیا ہو:

کسی بھی شئی کے قابل قیمت مال ہونے کے لئے سب سے پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ وہ از روئے شرع مباح ہو، جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، وہ مسلمانوں کے حق میں مال نہیں ہو سکتے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء مردار کو مال نہیں تسلیم کرتے، شراب کے بارے میں بھی علماء کا اتفاق ہے کہ وہ مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے اور یہی حکم خنزیر اور دیگر حرام اشیاء کا ہے۔

۲۔وہ شئی قابل انتفاع ہو:

کسی شئی کو مال قرار دینے کے لئے دوسرا اہم اور بنیادی عنصر اس کا قابل انتفاع ہونا ہے، علامہ داماد آفندی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

☆ تا تریاق از عراق بیاورند.....مار گزیدہ مردہ باشد☆

و الشئی انما یصیر مالا لکونه منتفعا به۔(۷۵)

اور شئی اس وقت مال قرار پاتی ہے، جبکہ نفع بخش ہو۔

فقہاء نے اسی شرط کی بنیاد پر متعدد ان اشیاء کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، جسے صاحب مذہب نے ناجائز قرار دیا تھا، جیسے ریشمی کپڑے اور انڈے کی خرید وفروخت کو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ درست تصور نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے زمانہ میں وہ قابل انتفاع نہیں تھے، لیکن امام محمدؒ اس کی اجازت دیتے ہیں اور فتوی بھی امام محمد کے قول پر ہے، اور فقہاء احناف نے اس کی وجہ یہی بتائی ہے کہ وہ قابل انتفاع ہے، لکونه منتفعا به ۔(۷۶) شہد کی مکھی کے سلسلہ میں بھی یہی اختلاف تھا، لیکن جب یہ قابل انتفاع ہوگئی تو علماء نے اسے جائز قرار دیا، (۷۷) زہریلے پودوں کے سلسلہ میں بھی فقہاء کا خیال یہی ہے کہ اگر ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو تو ان کی بیع درست ہوگی اور اگر وہ نا قابل انتفاع ہیں تو خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، صاحب اقناع لکھتے ہیں:

فاما السم من الحشائش و النبات فان کان لا ینتفع به او کان یقتل قلیله لم یجز بیعه، و ان انتفع به او امکن التداوی بیسیر کالسقمونیا و نحوها جاز بیعه۔(۷۸)

بہرحال زہریلے پودے، اگر نفع بخش نہ ہوں، نیز اس کی تھوڑی مقدار بھی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی اور اگر وہ نفع بخش ہو، یا اس سے علاج ممکن ہو جیسے سقمونیا وغیرہ، تو بیع جائز ہوگی۔

علامہ کاسانی نے کئی مسائل جمع کئے ہیں جن کو قابل انتفاع ہونے کی بنیاد پر جائز قرار دیا گیا ہے، جیسے سانپ، اگر وہ دوا علاج وغیرہ میں قابل انتفاع ہو، جیسا کہ جدید تحقیقات سے اس کا قابل انتفاع ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس کی بھی بیع جائز ہوگی:

وذکر فی الفتاوی، انه یجوز بیع الحیة التی ینتفع بها للادویة۔(۷۹)

اور فتاوی میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ، سانپ اگر دوا سازی میں کارآمد ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی۔

فقہاء احناف نے کتے، شکرہ اور باز کی خرید وفروخت کی اسی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، کاسانی لکھتے ہیں:

ان العصا من العصیة خشت اول چون نهد معمار کج ..... تا ثریا می رود دیوار کج

ان الكلب مال، فكان محلا للبيع كالصقر والباز، والدليل على انه مال، انه منتفع به حقيقة۔(۸۰)

کتا مال ہے اور وہ خرید وفروخت کے قابل ہے، جیسے کہ شاہین وغیرہ، اور اس کے مال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے احناف کے نزدیک آبی جانوروں میں سے صرف مچھلی کھانا حلال ہے، یہی وجہ ہے کہ مچھلی کے علاوہ کسی سمندری جانور کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، بدائع الصنائع میں ہے:

ولا ينعقد بيع شئى مما يكون فى البحر كالضفدع والسرطان الا السمک۔(۸۱)

اور سمندری جانوروں میں سے کسی کی بیع منعقد نہیں ہوگی، جیسے کہ مینڈک، کیکڑا، سوائے مچھلی کی بیع کے۔

اس کے باوجود فقہاء نے ان بحری جانوروں کی خرید وفروخت کو درست قرار دیا ہے جن کی ہڈیاں اور چمڑے قابل انتفاع ہوں، کاسانی لکھتے ہیں:

وما يجوز ..... الا نتفاع بجلده او عظمه، لان مالا يجوز الانتفاع بجلده ولا به ولا بعظمه لا يكون مالا، فلا يكون محلا للبيع۔(۸۲)

اور وہ جانور جن کے چمڑے اور ہڈی سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو، ان کی بیع جائز ہے، اور جن کے چمڑے، نفس جانور یا ہڈی سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو، اور وہ مال نہیں ہیں، لہٰذا ان کی بیع درست نہیں ہوگی۔

کتب فقہ میں فضلہ (سرقین) کی بیع کو صرف اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ قابل انتفاع ہے، حالانکہ وہ نجس العین میں سے ہے، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں:

فان بيع السرقين جائز ،وهو نجس العين ،للانتفاع به.(۸۳)

بلاشبہ فضلہ کی بیع درست ہے، باوجودیکہ وہ نجس العین ہے، کیونکہ وہ نفع بخش ہے۔

غرض کہ کسی شئی کے قابل قیمت مال ہونے کے لئے اس کا قابل انتفاع ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ فقہی جزئیات اور عبارتوں سے واضح ہے۔

آدم هر چه دارد از پیش قداق دارد ☆ تخم مرغ دزد، شتر دزد می شود

۳۔عرف وعادت:

مال کے بنیادی تین عناصر میں سے ایک عرف بھی ہے، یہی عرف میں کسی شئی کی خرید وفروخت کا رواج چل پڑے تو اس کو مال قرار دیا جائے گا، چنانچہ متعدد وہ اشیاء جن پر علماء ''مال'' کا اطلاق نہیں کرتے تھے، انھیں عرف وعادت کی بنیاد پر ''مال'' تسلیم کرنا پڑا، اس سلسلہ میں علامہ شامی کی عبارت بہت ہی واضح ہے، فرماتے ہیں:

والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔(۸۴)

اور کسی چیز کی مالیت، تمام یا بعض لوگوں کے اس کو بطور مال استعمال کرنے کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح علامہ سیوطی نے مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وتلزم متلفه و ان قلت، ومالا يطرحه الناس۔(۸۵)

مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ضائع کرنے والے کو (خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو) ضمان لازم اور جسے لوگ ضائع نہ کیا کرتے ہوں۔

اس کی ایک مثال جونک (علق) ہے، ابتداء علماء اس کی خرید وفروخت کو منع کرتے تھے، مگر بعد کو جب لوگوں کے درمیان اس کا رواج چل پڑا تو خود علماء نے اس کو مال شمار کیا اور اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

ولكن في الذخيرة، اذا اشترى العلق الذى يقال له بالفارسية "مرعل" يجوز، وبه اخذ الصدر الشهد لحاجة الناس اليه بتمول الناس۔(۸۶)

البتہ ''ذخیرہ'' میں ہے، اگر جونک خریدی جائے، جسے فارسی میں ''مرعل'' کہتے ہیں، تو یہ جائز ہوگا، اسی کے قائل صدر شہید بھی ہیں، کیونکہ لوگوں کی ضرورت اس سے وابستہ ہوگئی ہے، لوگوں کے درمیان رواج پانے کی وجہ سے۔

شہد کی مکھی کے جواز کی بھی یہی علت ہے، **لانه معتاد فيجوز للحاجة،** (۸۷) گویا مال کے عناصر ترکیبی میں سے ایک عنصر عرف وعادت بھی ہے کہ جس کی بنیاد پر اشیاء کی مالیت ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ

ہے کہ شریعت میں کسی بھی شئی کو مال قرار دینے کے لئے بنیادی طور پر تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) وہ شئی از روئے شرع مباح ہو۔ (۲) قابل انتفاع ہو۔ (۳) عرف میں وہ مال شمار کی جاتی ہو۔

فریقین کے دلائل پر ایک نظر:

''مال'' کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال اور اس سے متعلق جو تفصیل سابق میں ذکر کی گئی ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دو نقاط نظر پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ کسی شئی کے مال قرار دیئے جانے کے لئے اس کا مادی اور عینی ہونا ضروری ہے، یہ نقطہ نظر احناف کی طرف منسوب ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ کسی چیز کو مال قرار دینے کے لئے اس کا عینی اور مادی ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ غیر مادی اشیاء پر بھی مال کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، یہ رائے جمہور فقہاء دائمہ کی ہے، اور خود حنفیہ کے یہاں بھی اس کا تصور ملتا ہے، ان دونوں اقوال کے پس پشت جو دلائل ہیں وہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلے نقطۂ نظر کے دلائل:

جمہور علماء جو ''مال،، کے لئے مادہ اور عین ہونے کو ضروری نہیں قرار دیتے ہیں، بحیثیت مجموعی پانچ امور سے استدلال کرتے ہیں، ان میں سے چار کو شیخ ابوزہرہ نے بیان کیا ہے:

۱۔ انسان ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے جو قابل انتفاع ہوں اور ان کی طرف طبیعت کا میلان ہو، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عینی چیزوں کے حصول میں بھی یہی مصلحت اور مقصد کارفرما ہوتا ہے، گویا اصل چیز کسی بھی شئی کے حصول میں اس کا قابل انتفاع ہونا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ نفع اس شئی کی ذات یا اس کے ظاہر سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ خود صفت نفع مقصود ہے، جیسے قلم، ظاہر ہے کہ اس کے حصول کا مقصد یہ ہے کہ اس سے لکھائی کا کام انجام پائے، اس کا ڈھانچہ یا اس کی ذات مقصود نہیں ہے، بلکہ اس سے وابستہ نفع مقصود ہے۔ لہٰذا جب اعیان کا اصل مقصود منافع ہیں اور اس کے باوجود اسے مال تسلیم کیا جاتا ہے، تو منافع کو بدرجہ اولی مال قرار دیا جانا چاہئے۔ (۸۸)

۲۔ خرید وفروخت کے مروجہ معاملات میں بکثرت یہ صورت بھی پائی جاتی ہے کہ اس میں خود منافع کو بطور مال استعمال کیا جاتا ہے، جیسے دکانات اور مکان وغیرہ کو کرایہ (اجارہ) پر لگایا جاتا ہے، جو یقیناً منافع ہی کی تجارت ہے اور یہ صورت لوگوں کے درمیان خوب مروج بھی ہے۔

۳۔ منافع کو خود شریعت نے مال تسلیم کیا ہے اور وہ اس طرح کہ مہر کے سلسلہ میں قرآن مجید کی صراحت موجود ہے کہ اس کا مال ہونا ضروری ہے، **واحل لکم ما وراء ذلکم، ان تبتغوا باموالکم،** (النساء:۲۴) اور قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا ذکر موجود ہے، جس میں خدمت کو مہر قرار دیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خود شریعت نے منافع کو مال شمار کیا ہے۔

۴۔ بعض معاملات منافع پر مبنی ہوتے ہیں اور اس کا تاوان بھی واجب ہوتا ہے، (خواہ وہ معاملہ فاسد ہو یا صحیح) جیسے یتامی کے مغصوبہ منافع کو قابل تاوان تصور کیا جاتا ہے اور یہی احناف کا بھی مسلک ہے، اسی طرح اوقاف کے غصب کردہ منافع کو بھی قابل تاوان قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ مشہور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بڑی باریک بینی کے ساتھ جمہور کے مذکورہ قول کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: احناف کو منافع کے مال تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے معاملات، اجارہ وغیرہ کو خلاف قیاس قرار دینا پڑا ہے، ظاہر ہے کہ حکم شرعی کو خلاف قیاس قرار دینا خلاف اصل ہے اور بدرجہ مجبوری ہی ایسا تسلیم کیا جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر حقوق ومنافع کو بھی مال مان لیا جائے تو پھر ان معاملات کو خلاف قیاس ماننے کی حاجت نہیں رہتی۔(۸۹)

یہ چند نکات ہیں جو جمہور کے مسلک کی تائید کرتے ہیں۔

دوسرے نقطۂ نظر کے دلائل:

کسی چیز کے مال ہونے کے لئے مادہ اور عین ہونا ضروری ہے، کی دلیل بنیادی طور پر لغت ہے، کیونکہ ''مال''، ''تمول'' سے ماخوذ ہے، اور تمول کا معنی اہل لغت نے ''حفاظت وصیانت'' بتلایا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مال وہ شئی ہے جس کو جمع اور محفوظ کرنا ممکن ہو، اور منافع کی کیفیت یہ ہے کہ وہ وجود سے پہلے معدوم ہوا کرتا ہے، وجود میں آنے کے بعد بھی ممکن نہیں کہ اسے جمع اور محفوظ کیا جاسکے، اس لئے اس پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ معروف محقق بحرالعلوم مولانا محمد عبدالحلیم فرنگی محلی نے اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

منافع عرض ہیں اور کوئی عرض دو زمانے میں باقی نہیں رہتا، پس منافع دو زمانے میں باقی نہیں رہیں گے، اور جو چیز باقی نہیں رہتی وہ محرز بھی نہیں ہوتی، لہٰذا منافع محرز نہیں ہوں گے اور جو چیز محرز نہیں

ہوتی، وہ متقوم (قابل قیمت) بھی نہیں ہوتی، اس لئے منافع متقوم نہیں ہوں گے، اس کے برخلاف مال جو ہر ہے، باقی رہنے والا ہے اور متقوم ہے، اس لحاظ سے مال اور منافع میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔(۹۰)

یہی بات ان سے پہلے علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھی ہے۔(۹۱)

پس مال کی تعریف شارع نے خود بیان نہیں کی ہے اور یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، ابتداء ہی سے اس میں اختلاف رائے رہا ہے اور ہر دو فریق کے پاس اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

اصل اعتبار ''عرف'' کا ہوگا:

پھر غور کیا جائے تو کسی بھی شئی کی شرعی حیثیت اور حقیقت جاننے کے لئے بنیادی طور پر تین ماخذ ہیں۔(۱) شارع کی صراحت (۲) لغت (۳) عرف وعادت

جیسے ''صلاۃ'' اس کے لغوی معنی دعاء کے ہیں، لیکن شریعت نے ''مخصوص افعال'' کو ''مخصوص طریقے'' سے ادا کرنے کو صلاۃ کہا ہے، گویا شارع کی جانب سے اس کی تعیین موجود ہے اور وضوء وتیمّم میں ہاتھ یا چہرے کی مقدار لغت نے متعین کردی ہے، اسی طرح بکثرت ایسی اصطلاحیں پائی جاتی ہیں جن کی تعیین اور تحدید عرف کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

''مال'' کے سلسلہ میں غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں باوجودیکہ اس کا استعمال متعدد مقامات پر ہوا ہے، لیکن صراحت کے ساتھ اس کے معنی کی وضاحت اور حدود اربعہ کی تعیین نہیں کی گئی ہے، نیز اہل لغت کی تحقیق کو سامنے رکھا جائے تو اس سے بھی اس کی وضاحت نہیں ہو پارہی ہے، کیونکہ خود اس کے ''مادہ'' میں اختلاف ہے اور پھر معنی کی تعیین میں بھی کئی احتمالات اور اقوال پائے جاتے ہیں۔

اب تیسرا ماخذ ''عرف'' رہ جاتا ہے، جب نص میں صراحت اور لغت میں وضاحت موجود نہ ہو تو عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے، فقہاء کا متفقہ اصول ہے:

کل ماورد به الشرع مطلقا، ولا ضابط له فيه، ولا في اللغة، يرجع فيه الى العرف۔(۹۲)

شریعت میں جو شئی مطلق وارد ہو، نہ شریعت میں اس کے لئے کوئی ضابطہ ہو اور

نہ ہی لغت میں، تو ایسی صورت میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی نے بھی فقہاء کا ایک مسلمہ ضابطہ نقل کیا ہے کہ: **الثابت بالمعروف کالثابت بالنص۔(۹۳)**

عرف کی بنیاد پر ثابت شدہ شئی کا حکم ایسا ہی ہے، جیسے کہ وہ شئی جو صراحت سے ثابت ہوئی ہو۔ دراصل فقہ حنفی میں مجتہد فیہ اور غیر منصوص مسائل میں عرف کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے، خصوصیت سے معاملات کے باب میں عرف وعادت کا خاص دخل ہوتا ہے، بلکہ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر عرف ظاہر روایت کے خلاف ہو تو عرف کو ترجیح دی جائے گی اور ظاہر روایت کو ترک کر دیا جائے گا، شامی نے لکھا ہے:

> **اعلم ان المسائل الفقهية اما ان تكون ثابتة بصريح النص، وهى الفصل الاول، و اما ان تكون ثابتة يضرب اجتهاد وراى، وكثير منها ما يثبته المجتهد على ما كان فى عرف زمانه بحيث لو كان فى زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولا، ولهذا قالو افى شروط الاجتهاد انه لابد فيه من معرفة عادات الناس، فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان والمكان ولهذا ترى مشائخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد فى مواضع كثيرة۔(۹۴)**
>
> فقہی مسائل یا تو صریح نص (قرآن وحدیث) سے ثابت ہوں گے، یہ پہلی صورت ہے، یا قیاس واجتہاد سے ثابت ہوں گے، اس دوسری قسم کے مسائل میں سے بہت سے مسائل کی بنیاد مجتہد اپنے زمانہ کے عرف پر رکھتا ہے، اگر وہ مجتہد اس نئے عرف کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اس کی رائے اپنی موجودہ رائے کے خلاف ہوتی، اسی لئے فقہاء نے اجتہاد کی ایک شرط یہ بتائی ہے کہ لوگوں کی عادات کی واقفیت رکھتا ہو، کیونکہ بہت سے احکام زمانہ اور مکان کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ مسلک حنفی کے فقہاء نے بہت سے مسائل میں خود امام صاحب کی تصریحات سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ شامیؒ کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں عرف کی حیثیت فیصلہ کن ہوا کرتی ہے، حتیٰ کہ عرف کی بنیاد پر ظاہر روایت سے بھی عدول کیا جائے گا، بلکہ شامی نے ان لوگوں کی تنبیہ کی ہے جو تبدیلی عرف کے باوجود مسائل میں ظاہر روایت پر فتویٰ دیتے ہیں اور عرف کو نظر انداز کر جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

فهذا كله و امثاله دلائل واضحة على ان المفتى ليس له الجمود على المنقول فى كتب ظاهر الرواية من غير مراعاة الزمان واهله، والا يضيع حقوقا كثيرة ويكون ضرره اعظم من نفعه۔(۹۵)

پس یہ روایت اور اس جیسی مثالیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مفتی کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ زمانہ اور اہل زمانہ کی رعایت کئے بغیر ظاہر روایت کے اقوال پر جمود کئے رہے، ورنہ بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو جائے گا۔

پس جب ''مال'' کی تعریف اور اس کی حدود اربعہ کی تحدید تعیین نہ تو قرآن وحدیث میں ہے اور نہ ہی اہل لغت کی تصریحات سے قطعی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے، تو اس میں اصل مدار عرف وعادت ہی ہوگا۔ گویا مال کی حقیقت عرف سے وابستہ ہے، چنانچہ ہر وہ شئی جسے سماج میں مال تصور کیا جاتا ہو، اس کا لین دین اور اس کی خرید وفروخت معاشرہ میں مروج ہو، اور اس کی ممانعت پر نص وارد نہ ہو، تو اسے مال قرار دیا جائے گا اور وہ قابل عوض شمار ہوگا، بشرطیکہ اس میں نہ تو کھلا ہوا استحصال ہو، نہ غرر ہو، اور نہ ایسا ابہام ہو جو نزاع کا باعث بن جائے۔

پس مال کی تعریف کرتے ہوئے اہل علم نے ''عین'' کی جو شرط لگائی ہے وہ شرط حقیقی نہیں ہے، بلکہ عرفی ہے اور موجودہ دور میں جب کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معنوی اشیاء بھی ذی قیمت ہوتی ہیں اور معاشرہ میں قومی وبین الاقوامی سطح پر ان کا لین دین اور ان کی خرید وفروخت مروج ہے، تو اب ''مال'' کی تعریف میں مادی اور غیر مادی دونوں اشیاء شامل ہوں گی اور ان کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔

قابل ادخار ہونے کا مطلب:

غور وفکر کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ ''ادخار'' کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ کسی حاصل شدہ

شئی کو زیادہ دنوں کے لئے محفوظ کر کے رکھا جائے، لیکن محفوظ کرنے کی صورت کیا ہو؟ اس کو ہر عہد کے وسائل کے لحاظ سے متعین کرنا ہوگا، اگر کسی دور میں قانونی طور پر معنوی اشیاء کا تحفظ ممکن ہو جائے، تو یہ بھی ''ادخار'' میں داخل ہوگا، اور حفاظت کا ذریعہ محفوظ عمارت بھی ہوسکتی ہے، کولڈ اسٹوریج بھی، اور قانون کے ذریعہ بھی حفاظت و''ادخار'' ہوسکتا ہے، چنانچہ ''ادخار'' کی مناسب تعریف کی جاسکتی ہے:

''قابل ادخار'' ہر وہ شئی ہے کہ انسان جب اس کو حاصل کرنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کرے تو وہ اس کے زیر قبضہ اور زیر دست آجائے، بایں طور کہ مالک جب چاہے اس کو اس شئی کی شان و حال کے مطابق استعمال کر سکے۔

ادخار کا یہ مفہوم زیادہ مناسب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قبضہ اور ادخار واحراز کی جو مختلف صورتیں اور شکلیں مروج ہیں، وہ سب شامل ہوں گی، خواہ جیب میں رکھ کر ہو، گھر پر رکھ کر ہو، یا مروجہ قانونی طریقوں اور رجسٹریشن وغیرہ کے ذریعہ ہو، پس فقہاء نے مال ہونے کے لئے قابل ذخیرہ ہونے کی جو شرط لگائی ہے وہ اپنے وسیع معنی پر محمول ہوگی اس طرح جو چیزیں قانونی طور پر محفوظ کی جاسکتی ہیں، وہ بھی ''قابل ذخیرہ'' سمجھی جائیں گی۔

عصر حاضر کے اہل علم کی آراء:

جو مسائل اجتہادی نوعیت کے ہوں اور عرف و مصلحت سے متعلق ہوں، ان میں زمانہ و حالات کی تبدیلی کے اعتبار سے آراء میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، اور فکر ونظر کا سفر جاری رہتا ہے، اسی لئے ان مسائل میں اپنے عہد کے معتبر علماء وفقہاء کی آراء کی بھی خاص اہمیت ہے۔ حقوق کے مال اور قابل عوض ہونے اور نہ ہونے کا مسئلہ آج بین الاقوامی سطح پر جو اہمیت اختیار کر گیا ہے، وہ محتاج اظہار نہیں، اسی پس منظر میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام مکہ فقہ اکیڈمی نے ۹ تا ۱۲/رجب ۱۴۰۶ھ کو مکہ مکرمہ میں اپنا نواں فقہی سیمینار منعقد کیا، اس سیمینار میں سات موضوعات زیر بحث تھے، جن میں ایک اہم مسئلہ حقوق کی خرید وفروخت کا بھی تھا، پھر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بھی اپنے تیسرے فقہی سیمینار منعقدہ ۸ تا ۱۱/جون ۱۹۹۰ء میں حقوق کے موضوع پر علماء ہند کو غور وفکر کی دعوت دی، افسوس کہ مکہ اکیڈمی کے سیمینار سے متعلق مقالات کا مجموعہ مجھے نہیں مل سکا، لیکن علماء ہند کے مقالات اور ان کی آراء کا مجموعہ چھپ چکا ہے اور دستیاب ہے، اس سے استفادہ کا موقع ملا، نیز حقوق کے موضوع پر مختلف اصحاب تحقیق عرب علماء کی

تحریروں سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اس پس منظر میں مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق عالم اسلام اور ہندوپاک کے کچھ ممتاز اہل علم کی آراء بھی پیش کردی جائیں، چنانچہ ان حضرات کی رائے کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی چیز کے ''مال ہونے'' کے لئے فقہاء نے ''عین'' یعنی مادی شئی ہونے کی قید لگائی ہے، یہ قید، قید اتفاقی ہے حقیقی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کے حدود اربعہ کی تحدید وتعیین از روئے شرع اور خود باعتبار لغت متعین نہیں ہے، اس لئے مال کی تحدید میں اصل اعتبار عرف وعادت کا ہوگا، لہٰذا حالات وزمانہ اور عرف کی تبدیلی سے اس میں بھی تبدیلی واقع ہوسکتی ہے، عین ممکن ہے کہ ایک شئی کو کسی زمانہ میں مال تسلیم نہ کیا جائے، لیکن بعد کے عہد میں اس کا شمار مال میں ہونے لگے، پس سابق میں حقوق کو مال نہیں سمجھا جاتا تھا، مگر اب عرف میں یہ قیمتی اموال شمار کئے جانے لگے ہیں۔

اس عہد کے چند محقق علماء کی رائے انھیں کی عبارت میں پیش کرنا مناسب ہوگا۔ معروف محقق ڈاکٹر فتحی الدرینی (۹۶) مال کی تعریف میں ذکر کردہ شرط ''عین'' اور ''احراز'' کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فاتضح لک بحلا، ان ''العینة'' لیست عنصرا فی هذا المفهوم، وان امکانیة الحیازة المادیة المباشرة لیست من خصائص المال کذلک عند الجمهور، بل تکلفی حیازة العین التی استقررت فیها المعانی او المنافع......(۹۷)
>
> پس تم پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوجانی چاہئے، کہ ''عین ہونا'' مال کے مفہوم میں بنیادی عنصر نہیں ہے، یہی جمہور کا نقطۂ نظر ہے، بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ عین محفوظ ہوجائے، جس میں صلاحیتیں یا منافع قرار پاتے ہیں......

ایک اور عرب عالم ڈاکٹر احمد فراج حسین (۹۸) رقم طراز ہیں:

> وعلی ذلک فلا تتطلب المالیة للاشیاء، سوی مکان تقدیرها بالنقد، ای ان الشی اذا کان له قیمة فانه یکون مالا، وابتناء مالیة الشی علی القیمة وفقا لهذا الاطلاق سوف یسمح بتوسیع دائرة الاموال، وبخاصة فی هذا العصر الذی بالتطور العلمی والحضاری، یشمل اشیاء لم تکن معروفة من قبل ما دام

تقديرها بالنقود من ذلک الاشياء المعنوية فيما يعرف الذهنية او حقوق الابتكار، والدم البشرى الذى يوخذ فى العمليات الجراحية..... وغير ذلک من كل ماله قيمة بين الناس ويمكن تقديره بالنقد، هذا هو مفهوم المال فى الفقة الاسلامى ۔(۹۹)

اس بنیاد پر کسی شئی کا مال ہونا اس کے سوا کسی اور چیز کا طالب نہیں کہ پیسوں کے ذریعہ اس کی قیمت لگائی جاتی ہو، یعنی جو شئی ذی قیمت ہوگی وہ مال ہوگی، اور شئی کے مال ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ قیمت والی ہے یا نہیں؟ اس اطلاق کے اعتبار سے ''مال'' کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور خاص کر علمی وتہذیبی ترقی کے اس دور میں مال کی یہ تعریف ایسی بہت سی اشیاء کو شامل ہو سکے گی، جو گذشتہ ادوار میں ذی قیمت نہیں سمجھی جاتی تھیں، ان ہی میں معنوی امور ہیں، جس کا عقل کے ذریعہ ادراک کیا جاتا ہے، یا حقوق ایجاد اور انسانی خون جو آپریشن کی عمل گاہ میں لیا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو لوگوں کے درمیان ذی قیمت سمجھی جاتی ہیں اور نقود کے ذریعہ ان کی قدر متعین کی جاتی ہے، فقہ اسلامی میں مال کا یہی مفہوم ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ صاحب (۱۰۰) نے مال کی جو تعریف کی ہے اس کے بین السطور سے مستنبط کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مال کا مصداق عینی اور غیر عینی ہر دو اشیاء ہو سکتی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

المال ما يميل اليه الطبع للاخذ والانتفاع، سواء كان عينا اى وجود مستقل بنفسه غير محتاج فى وجود الى وجود شئى آخر، كالجدار والثياب و غيرهما من الموجودات الخارجية، وسواء كان عرضا اى وجود غير مستقل بنفسه بل وجوده محتاج فى تشخصه و تحققه الى وجود شئى آخر، كالوان الجدار والثياب وغيرهما من الوان الموجودات الخارجيه۔(۱۰۱)

مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت لینے اور نفع اٹھانے کے لئے مائل ہو، خواہ وہ عینی ہو، یعنی مستقل وجود جو کسی اور چیز کے وجود کا محتاج نہ ہو، جیسے: دیوار، کپڑے، وغیرہ خارجی موجودات، یا وہ عرض ہو، یعنی غیر مستقل بالذات وجود، بلکہ اس کا وجود اپنے تشخص اور تحقق میں دوسری چیز کے وجود کی محتاج ہو، جیسے: دیوار اور کپڑے وغیرہ کے رنگ وغیرہ خارجی طور پر موجود رنگ۔

گویا مال وہ شئی بھی ہے جو اپنا مستقل وجود نہیں رکھتی ہو، بلکہ اس کا وجود کسی اور شئی پر موقوف ہو اور ظاہر ہے حقوق اور منافع وغیرہ بذات خود اپنا وجود نہیں رکھتی ہیں، بلکہ دوسری اشیاء پر ان کا مدار ہوتا ہے۔ مال کے بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (۱۰۲) نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کا بڑا دخل ہے، اس لئے کہ مالیت جیسا کہ ابن عابدین نے کہا ہے ''لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے'' لہٰذا بعض حقوق جب عرف میں قیمت رکھنے والے مال مان لئے گئے ہیں اور لوگ ان کے ساتھ اموال والا معاملہ کرتے ہیں، تو ان کی بیع بھی درج ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہونی چاہئے۔ (۱۰۳)

ایک اور جگہ مولانا موصوف اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بعض اشیاء کو اعیان میں داخل کرنے میں عرف کا بڑا ہاتھ ہے، کیونکہ ابن عابدین کے بیان کے مطابق مالیت لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے، اس کی مثال بجلی اور گیس ہے، جو گزشتہ زمانوں میں اموال واعیان میں شمار نہیں ہوتی تھیں، کیونکہ یہ دونوں ایسی مادی چیز نہیں ہیں جو قائم بالذات ہوں اور ان کا قبضہ میں کرنا بھی انسان کی طاقت میں نہیں تھا، لیکن اب یہ دونوں چیزیں ان اہم قیمتی اموال میں سے ہیں جن کی خرید وفروخت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں چیزوں میں حد درجہ نفع ہے اور ان کا احراز بھی ممکن ہے، لوگوں کے عرف میں بھی یہ دونوں چیزیں مال اور قیمتی چیز مانی جاتی ہیں۔ (۱۰۴)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس سلسلہ میں (۱۰۵) رقمطراز ہیں:

ان تکلفات اور موقع بہ موقع تضادات کی نوبت اس لئے آئی کہ کسی شئی کے مال قرار پانے کے لئے ''عین'' ہونے کی شرط جو محض ایک اتفاق کا درجہ رکھتی تھی اور کسی خاص زمانہ وماحول کے پیش نظر مقرر کی گئی تھی، کو مال ہونے اور نہ ہونے کے لئے مدار واساس بنا دیا گیا، حالاں کہ غالبا فقہاء نے یہ شرط محض اس لئے لگائی تھی کہ کسی شئی کے تمول وادخار کے لئے اس زمانہ میں ''عین'' ہونے کے سوا کوئی اور

صورت نہ تھی..... اب کہ مال کی بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جو بالکل غیر مرئی ہیں اور ہمارے فقہاء احراز وادخار کی جن صورتوں سے آشنا تھے، ان سے بالکل جداگانہ صورتوں میں آج احراز وتحفظ ہوا کرتا ہے، ''عین'' کی شرط پر اصرار صحیح نظر نہیں آتا۔(۱۰۶)

حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی (۱۰۷) اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور کسی چیز کے مال ہونے میں عرف اور عادۃ الناس کا بھی اعتبار ہوگا اور اس کی بیع جائز قرار پائے گی، مال کو مذکورہ بالا تعریف اور کسی چیز کے مال ہونے میں عرف وعادت کا اعتبار بہت سے حقوق ومنافع مال ہیں اور ان کی بیع جائز ہے جن سے حقیقۃً انتفاع کیا جاتا ہے اور شرعاً انتفاع جائز ہے اور لوگ مال سمجھ کر ان کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔(۱۰۸)

حضرت مولانا عتیق احمد بستوی صاحب (۱۰۹) نے اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے: میری رائے یہ ہے کہ مال کی تعریف میں عینیت کی شرط لازمی نہیں ہے، اگر عرف میں کسی غیر مادی چیز یا منفعت کو مال گردانا جاتا ہے اور بالمعاوضہ اس کا لین دین معاشرہ میں رائج ہو تو اگر اس میں دوسرے شرعی مفاسد نہ ہوں تو اسے مال قرار دے کر شرعاً اس کی بیع جائز قرار دی جانی چاہئے..... جہاں تک مال کے لئے قابل ذخیرہ ہونے کی شرط کا تعلق ہے، تو اسے فقہاء احناف کے نزدیک شرط قرار دیا جانا اسی بنیاد پر ہے کہ خریدار کے لئے اس پر قبضہ کرنا اور اس سے نفع اٹھانا ممکن ہوسکے، لہٰذا اس شرط کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اشیاء کے قابل ذخیرہ ہونے کا مطلب اس کی اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے لیا جائے گا۔(۱۱۰)

حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب (۱۱۱) اس مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس اختلاف زمانی کے نتیجہ میں بہت سی ایسی چیزیں یقیناً سامنے آجائیں گی، جو ماضی میں غیر مرغوب اور ناممکن الادخار ہونے کے سبب مال شمار نہیں ہوتی تھیں اور اس کی بیع وشراء کا کوئی تصور نہیں تھا، مگر آج وسائل واسباب کی وسعت وتنوع کے سبب وہ قابل ادخار بن چکی ہیں، ان سے انتفاع و استفادہ کی صورتیں عام ہوجانے کے سبب وہ مرغوب طبع بھی بن چکی ہیں، اس لئے آج انھیں مال میں یقیناً شمار کیا جانا چاہئے، جس کی بیع وشراء کو ناجائز رکھنے کی معقول وجہ نہیں رہ پاتی۔(۱۱۲)

''مال'' کی حقیقت کی تعیین میں عرف وعادت کا کیا درجہ ہے؟ اس موضوع پر کافی تفصیلی بحث کرنے کے بعد معروف عرب عالم ومحقق ڈاکٹر محمد محروس المدرس لکھتے ہیں: پس اس طور پر جو چیز عامۃ

الناس کے ذہن وعقل میں بیٹھ چکی ہے اور جس میں عالم وجاہل اور نیک وبد میں کوئی تفریق نہیں ہے، وہ یہ کہ منافع مال ہیں اور متقوم بھی ہیں، اور منافع کا لین دین میں اعتبار بھی ہے اور علی العموم اس کا معاوضہ لیا جاتا ہے، لوگوں کے افعال کو صحیح بنانا بھی ضروری ہے اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے افعال کو صحت اور درستگی پر محمول کرنا بھی ضروری ہے، لوگوں کے حالات اور ان کی ضروریات کا ساتھ دینے کے لئے، اور اسے اصول کی خلاف ورزی نہیں کہیں گے، بلکہ یہی اصل الاصول ہے.....اور یہ عرف عالم جاہل، نیک و بد سب کے ذہنوں میں بالکل راسخ ہو چکا ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہ کرنے میں پورے زمانہ کی تفسیق لازم آئے گی، اس لئے امام ابو یوسف کی اسی روایت پر فتوی متعین ہے۔(۱۱۳)

یہ چند علماء، اصحاب افتاء اور محققین کی آراء ان ہی کی عبارتوں کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، تاکہ ''مال'' کے سلسلہ میں عصر حاضر کے فقہاء کے خیالات واضح ہوسکیں، ورنہ اس کے علاوہ بھی حضرات علماء کی ایک طویل فہرست ہے جو مال کے بارے میں مذکورہ نقطۂ نظر کی قائل ہے، ان تمام حضرات کی عبارتوں کا پیش کرنا غیر ضروری طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے ذیل میں صرف ان حضرات کے چند نام ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمیؒ (امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار)

(۲) حضرت مولانا محمد طاہر مدنی (مدیر: جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ، یوپی)

(۳) حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی (دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی)

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد زید (جامعہ عربیہ ہتھوڑا باندہ، یوپی)

(۵) حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی (بہار)

(۶) محترم جناب شمس پیرزادہ مرحوم (ادارہ دعوت القرآن، ممبئی)

(۷) حضرت مولانا مفتی انور علی اعظمی (دارلعلوم مئو، یوپی)

(۸) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی (جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس)

(۹) حضرت مولانا افضل حسین (بستی، یوپی)

ان حضرات کے مقالات کے لئے ملاحظہ ہو: ''مجلہ فقہ اسلامی'' بابت تیسرا فقہی سیمینار، ناشر: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

پس اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ جمہور کے نزدیک مال کے علاوہ منافع اور حقوق کی بھی خرید وفروخت ہوسکتی ہے۔

۲۔ اگر بیع کے لئے مال ہونا ہی ضروری ہوتو فقہاء کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ''مال'' میں حقوق ومنافع بھی شامل ہیں، یہ صرف ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، بلکہ حنفیہ کے یہاں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں۔

۳۔ کسی شئی کے مال ہونے میں عرف ورواج کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

۴۔ قابل ادخار ہونے کی کوئی ایک ہی صورت متعین نہیں، کسی چیز کا قانونی طور پر محفوظ ہوجانا بھی قابل ادخار ہونے کے لئے کافی ہے۔

☆☆☆

حواشی

(۵۳) ردالمحتار علی الدر:۴/۵۰۲۔

(۵۴) ردالمحتار، باب بیع الفاسد۔

(۵۵) المدخل الفقہی العام:۳/۱۱۵۔

(۵۶) فقہ الزکاۃ:۱/۱۲۵۔

(۵۷) الفقہ الاسلامی وادلتہ:۴/۴۰، کتاب البیوع۔

(۵۸) الھدایہ للمرغینانی:۳/۴۰، مختارات النوازل مخطوطہ:۳۲۸۔

(۵۹) المعتمد فی فقہ الامام احمد:۲/۲۰۴، الفتاوی الھندیۃ:۱/۳۰۲۔

(۶۰) ردالمحتار علی درالمختار:۲/۳۵۸۔

(۶۱) بدائع الصنائع:۷/۲۵۲۔

(۶۲) بدائع الصنائع:۷/۳۸۵۔

(۶۳) بدائع الصنائع:۳/۲۲۸۔

(۶۴) البحر الرائق:۳/۱۵۶۔

(۶۵) الاشباہ والنظائر مع الحموی:۱۶۵، ط: دیوبند۔

(۶۶) ردالمحتار:۷/۳۵۔

(۶۷) شرح الحموی علی ھامش الاشباہ:۱۶۵۔

(۶۸) الاشباہ والنظائر:۱۶۱۔۱۶۳، ط:دیوبند۔

(۶۹) شرح الحموی علی ھامش الاشباہ:۱۶۲، ط:دیوبند۔

(۷۰) کتاب التعریفات:۱۴۳، ط:بیروت۔

(۷۱) ردالمحتار مع الدر:۷/۲۷۶، باب البیع الفاسد۔

(۷۲) حوالہ سابق۔

(۷۳) المبسوط للسرخسی:۱۴/۱۳۶۔

(۷۴) حاشیۃ ابن عابدین:۴/۱۵۔

(۷۵) مجمع الانھر:۲/۵۷۔

(۷۶) البحر الرائق:۶/۷۸۔

(۷۷) مجمع الانھر:۲/۵۷۔

(۷۸) الاقناع:۲/۶۰۔

(۷۹) بدائع الصنائع:۴/۳۳۴۔

(۸۰) بدائع الصنائع:۴/۳۳۴، فتح القدیر:۶/۴۲۷۔

(۸۱) بدائع الصنائع:۴/۳۳۶۔

(۸۲) بدائع الصنائع:۴/۳۳۶۔

(۸۳) فتح القدیر:۶/۴۲۷۔

(۸۴) ردالمحتار:۴/۵۰۲، البحر الرائق:۵/۲۵۶، جامع الرموز:۳/۳۰۶۔

(۸۵) الاشباہ والنظائر للسیوطی:۵۲۳۔

(۸۶) البحر الرائق:۶/۷۸۔

(۸۷) شلبی علی التبیین:۴/۴۹۔

(۸۸) قواعد الاحکام:۲/۱۷۔

(۸۹) مجلہ فقہ اسلامی، بابت سیمینار نمبر:۳۔

(۹۰) قمر الاقمار:۱/۶۳۔

(۹۱) البحر الرائق:۵/۲۵۷۔

آنچہ زخم زبان کند بامرد.....☆.....زخم شمشیر جان ستان نکند

(۹۲) الاشباہ والنظائر للسیوطی:۹۶۔

(۹۳) مجموعۃ رسائل ابن عابدین:۲/۱۲۳۔

(۹۴) مجموعہ رسائل ابن عابدین:۲/۱۲۳۔

(۹۵) مجموعہ رسائل ابن عابدین:۲/۱۲۳۔

(۹۶) استاذ کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ دمشق۔

(۹۷) حق الابتکار فی الفقہ الاسلامی:۱۳۴۔

(۹۸) استاذ کلیۃ الحقوق، جامعۃ الاسکندریۃ۔

(۹۹) الملکیۃ ونظریۃ العقد فی الشریعۃ الاسلامیۃ:۱۰۔۱۱۔

(۱۰۰) سابق صدر مفتی: دارالعلوم، دیوبند۔

(۱۰۱) مجلہ فقہ اسلامی، بابت تیسرا فقہی سیمینار:۶۸۔

(۱۰۲) نائب مہتمم: دارالعلوم کراچی وسابق جسٹس شریعہ کورٹ، پاکستان۔

(۱۰۳) سہ ماہی، بحث ونظر، شمارہ نمبر:۹، جلد نمبر:۳ پٹنہ۔

(۱۰۴) سہ ماہی مجلّہ ''بحث ونظر''، شمارہ نمبر:۹، جلد نمبر:۳ پٹنہ۔

(۱۰۵) جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

(۱۰۶) مجلہ فقہ اسلامی بابت تیسرا فقہی سیمینار:۸۷، ناشر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

(۱۰۷) استاذ حدیث وفقہ: جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی۔

(۱۰۸) مجلہ فقہ اسلامی، بابت تیسرا فقہی سیمینار:۱۷۲۔

(۱۰۹) استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(۱۱۰) مجلہ فقہ اسلامی، بابت تیسرا فقہی سیمینار:۱۴۲۔

(۱۱۱) شیخ الحدیث: مدرسہ کنہواں شمسی (بہار)۔

(۱۱۲) مجلہ فقہ اسلامی، بابت تیسرا فقہی سیمینار:۱۴۲۔

(۱۱۳) مجلہ فقہ اسلامی، بابت تیسرا فقہی سیمینار:۱۲۳۔